میر تقی میر کی شاعرانہ عظمت

خدائے سخن محمد تقی المعروف میر تقّی میر-اردو کے عظیم شاعر تھے. اردو شاعری میں میر تقی میر کا مقام بہت اونچا ہے-انہیں ناقدین و شعرائے متاخرین نے خدائے سخن کے خطاب سے نوازا۔ وہ اپنے زمانے کے ایک-منفرد شاعر تھے-آپ کے متعلق اردو کے عظیم الشان شاعر مرزا غالب نے لکھا ہے-

ر یختے کے تمہی استاد نہیں ہو غالب-

کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا-

میر تقی میر تخلص، آگرہ میں 1723ء میں پیدا ہوئے۔ان کے والد کا نام محمد علی تھا لیکن علی متقی کے نام سے مشہور تھے۔اور درویش گوشہ نشین تھے۔ میر نے ابتدائی تعلیم والد کے دوست سید امان للہ سے حاصل کی۔ میرا ابھی نو برس کے تھے کہ وہ چل بسے ان کے بعد ان کے والد نے تعلیم و تربیت شروع کی۔ مگر چند ہی ماہ بعد ان کا بھی انتقال ہو گیا۔

یہاں سے میر کی زندگی میں رنج والم کے طویل باب کی ابتداء ہوئی۔

ان کے سوتیلے بھائی محمد حسن نے اچھا سلوک نہکیا۔ تلاش معاش کی فکر میں دہلی پہنچے اور ایک نواب کے ہاں ملازم ہو گئے۔ مگر جب نواب موصوف ایک جنگ میں مارے گئے تو

میر آگرہ لوٹ آئے۔ لیکن گزراوقات کی کوئی صورت نہ بن سکی۔ چنانچہ دوبارہ دہلی روانہ ہوئے اور اپنے خالو سراج الدین آرزو کے ہاں قیام پذیر ہوئے۔ سوتیلے بھائی کے اکسانے پر خان آرزو نے بھی پریشان کرنا شروع کر دیا۔ کچھ غم دوراں کچھ غم جاناں، سے جنوں کی کیفیت پیدا ہو گئی۔

میر کا زمانہ شورشوں اور فتنہ وفساد کا زمانہ تھا۔ ہر طرف صعوبتوں کو برداشت کرنے کے بالآخر میر گوشہ عافیت کی تلاش میں لکھنؤ روانہ ہو گئے۔ اور سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرنے کے بعد لکھنو پہنچے۔ وہاں ان کی شاعری کی دھوم مچ گئی۔ نواب آصف الدولہ نے تین سو روپے ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا۔ اور میر آرام سے زندگی بسر کرنے لگے۔ لیکن تند مزاجی کی وجہ سے کسی بات پر ناراض ہو کر دربار سے الگ ہو گئے۔ آخری تین سالوں میں جوان بیٹی اور بیوی کے انتقال نے صدمات میں اور اضافہ کر دیا۔ آخر اقلیم سخن کا یہ حرماں نصیب شہنشاہ 1810ء میں لکھنو کی آغوش میں ہمیشہ کے لیے سو گیا۔

زندگی

میر کی زندگی کے بارے میں معلومات کا اہم ذریعہ ان کی سوانح عمری کا ذکر- اے-میر، جوان کے بچپن سے لکھنؤ میں ان کے قیام کے آغاز کی مدت پر محیط ہے۔ میر نے اپنی

زندگی کے چند ایام مغل دہلی میں صرف کئے۔اس وقت وہ پرانی دہلی میں جس جگہ رہتے تھے اسے کوچہ چلم، کہا جاتا تھا۔

انہوں نے اپنے درد کو چند اشعار میں بیان کیا ہے۔

؎ کیا بود و باش پوچھے ہو پورب کے ساکنو

ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے

دلّی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب

رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے

جس کو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا

ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

میر تقی میر غم کا شاعر

سودا تو اس زمین میں غزل در غزل لکھ

ہونا ہے تم کو میر سے استاد کی طرح (سودا)

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ

آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں (غالب)

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب

ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا (ذوق)

شعر میرے بھی ہیں پر درد ولیکن حسرت

میر کا شیوہ گفتار کہاں سے لائوں (حسرت)

اللہ کرے میر کا جنت میں مکاں ہو

مرحوم نے ہر بات ہماری ہی بیاں کی (ابنِ انشا)

معتقد ہیں اگرچہ غالب کے۔ میر کو بھی سلام کرتے ہیں (حزیں جی)

بقول عبدالحق،

'' اُن کا ہر شعر ایک آنسو ہے اور ہر مصرع خون کی ایک بوند ہے۔'' ایک اور جگہ عبدالحق لکھتے ہیں،

'' انہوں نے سوز کے ساتھ جو نغمہ چھیڑا ہے اس کی مثال دنیائے اردو میں نہیں ملتی۔''

ہر شاعر اپنے ماحول کی پیداوار ہوتا ہے۔ اس کے ارد گرد رونما ہونے والے واقعات، حادثات، اس کی ذاتی زندگی میں پیش آنے والے تجربات اور اس سلسلے میں اس کے تاثرات ہی دراصل اس کی شاعری اور فن کے رخ کا تعین کرنے میں معاون ثابت ہوتے

ہیں۔ماحول اور معاشرے کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ لاشعوری طور پر شاعر اپنی فکر کا رخ موڑتا چلا جاتا ہے اور یوں اس کی شاعری وقتی رفتار کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔

میر تقی میر ایک ایسے عہد میں پیدا ہوئے جو سیاسی، سماجی، ملکی اور معاشی اعتبار سے سخت انتشار اور افراتفری کا دور تھا۔ مغل مرکز کمزور پڑ چکا تھا۔ ہندوستان کے بہت سے صوبے خود مختار ہو چکے تھے پورا ملک لوٹ مار کا شکار تھا۔ بیرونی حملہ آور آئے دن حملے کرتے تھے اور عوام وخواص کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتے۔ لوگ بھوکے مرنے لگے اور دولت لٹنے سے اقتصادی بدحالی کا دور شروع ہوا۔

میر اپنے اس دور کے احساس زوال اور انسانی الم کے مظہر ہیں۔ ان کی شاعری اس تمام شکست وریخت کے خلاف ایک غیر منظم احتجاج ہے۔ میر کے تصور غم کے بارے میں ڈاکٹر سید عبداللہ فرماتے ہیں کہ،'' میر کا سب سے بڑا مضمون شاعری ان کا غم ہے۔ غم و الم میر کے مضامین شاعری سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ یہ غم میر کا ذاتی غم بھی تھا اور یہی انسان کی ازلی اور ابدی تقدیر کا غم بھی تھا۔ یہ سارے غم میر کی شاعری میں جمع ہو گئے ہیں۔''

غم وحزن

میر کا تصور، زندگی کے بارے میں بڑا واضح ہے کہ ان کا زندگی کی بارے میں نقطۂ نظر حزنیہ تھا۔ حزن ایک ایسے غم کا نام ہے جو اپنے اندر تفکر اور تخلیقی صلاحیتیں بھی رکھتا ہے۔ یہ غم ذاتی مقاصد اور ذاتی اغراض کا پرتو نہیں رکھتا۔ اس غم میں تو سوچ، غور و فکر اور تفکر کو دخل ہے۔ میر کے متعلق یہ کہنا بھی درست نہیں کی میر قنوطی شاعر ہیں یا محض یاسیت کا شکار ہیں۔ محض یاس کا شاعر ہونا کوئی بڑی بات نہیں، اصل بات تو یہ ہے کی انسان یاس و غم کا شکار ہونے کے باوجود زندگی سے نباہ کیسے کرتا ہے۔ یہی نباہ اس کا تصور زندگی کی تشکیل دیتا ہے۔ میر کا تصورِ زندگی مایوس کن نہیں صرف اس میں غم والم کا ذکر بہت زیادہ ہے۔ مگر یہ غم والم ہمیں زندگی سے نفرت نہیں سکھاتا بلکہ زندہ رہنے کا حوصلہ عطا کرتا ہے۔ اس میں زندگی کی بھرپور توانائی کا احساس ہوتا ہے۔

مجھ کو شاعر نہ کہو میر کہ صاحب میں نے
درد و غم کتنے کئے جمع تو دیوان کیا

چشم رہتی ہے اب پر آب بہت
دل کو میرے ہے اضطراب بہت

متصل روتے رہیے تو بجھے آتش دل
ایک دو اشک تو اور آگ لگا دیتے ہیں

میر کا تصور غم

میر کا تصور غم تخیلی اور فکری ہے۔ یہ قنوطیت پیدا نہیں کرتا۔ اس کے ہوتے ہوئے میر کی شاعری میں توازن اور ٹھہراؤ نظر آتا ہے۔ شکستگی کا احساس نہیں ہوتا اور ضبط، سنجیدگی اور تحمل ملتا ہے۔ وہ غم سے سرشار ہو کر اسے سرور اور نشاط بنا دیتے ہیں۔ مجنوں گورکھپوری ان کے تصورات غم سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

'' میر نے غم عشق اور اس کے ساتھ غم زندگی کو ہمارے لیے راحت بنا دیا ہے۔ وہ درد کو ایک سرور اور الم کو ایک نشاط بنا دیتے ہیں۔ میر کے کلام کے مطالعہ سے ہمارے جذبات و خیالات اور ہمارے احساسات و نظریات میں وہ ضبط اور سنجیدگی پیدا ہوتی ہے۔ جس کو صحیح معنوں میں تحمل کہتے ہیں۔

ہر صبح غموں میں شام کی ہے میں
خونابہ کشی مدام کی ہے میں نے
یہ مہلت کم کہ جس کو کہتے ہیں عمر
مر مر کے غرض تمام کی ہے میں نے
دلی کی بربادی کا غم

بقول ڈاکٹر غلام حسن:

'' شاعروں نے دل کے استعارے میں اس عہد کے سیاسی اور سماجی احوال کو سمو کر بڑے بلیغ کنائے سے کام لیا ہے۔ جس طرح انسانی جسم کی ساری نقل و حرکت کا مرکز و محور دل ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک سلطنت کا مرکز و محور اس کا دارالحکومت ہوتا ہے۔ زیر نظر دور میں ہندوستان کا مرکز سلطنت شہر دلی تھا۔ دلی جو صدیوں سے اس ملک کے دل کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔۔۔۔ دلی کی تباہی کو شاعروں نے کنایتاً دل کی ویرانی و بربادی سے تشبیہ دے کر سارے جسم یعنی کل ملک کی تباہی کی داستان بیان کی ہے۔'' میر نے دوسرے شعراء کی طرح یہ تمام خونی واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ میر کی شاعری پر خون کے یہ دھبے آج تک نمایاں ہیں۔

دلی کے نہ تھے کوچے اوراق مصور تھے
جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی

خاک بھی سر پر ڈالنے کو نہیں
کس خرابے میں ہم ہوئے آباد

دلی میں آج بھیک بھی ملتی نہیں انہیں
تھا کل تلک دماغ جنہیں تاج و تخت کا

سادگی، خلوص، صداقت

میر نے فنی خلوص کو پوری صداقت سے استعمال کیا ہے۔ فنی خلوص سے یہ مراد ہے کہ شاعر زندگی کے واقعات کو جس طرح دیکھتا ہے، اسی طرح بیان کرے۔ میر کا انداز اسی لیے مقبول ہے کہ اس میں صداقت اور خلوص اور تمام باتیں بے تکلفی کے انداز میں کہی گئی ہیں۔ میر نے خیال بند شاعروں کی سی معنی آفرینی سے کام نہیں لیا۔ محض تخیل کے گھوڑے نہیں دوڑائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میر عوام کا شاعر ہے۔ اس کے آس پاس کی زندگی سے درد و غم کے مضامین کے چشمے ابل رہے تھے۔ میر نے انہی مضامین کو سادہ الفاظ میں بے تکلف انداز میں پیش کیا۔ میر کے خلوص و صداقت کا اندازہ ان اشعار سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

قدر رکھتی نہ تھی متاع دل
سارے عالم کو میں دکھالایا

دل مجھے اس گلی میں لے جا کر
اور بھی خاک میں ملالایا

ابتداء ہی میں مر گئے سب یار
عشق کی کون انتہا لایا ترنم

موسیقیت:۔

میر کے شاعرانہ انداز کی غنائیت اور موسیقیت اپنے اندر فنی دلکشی کے بہت سے پہلو رکھتی ہے۔ میر کے انداز کی نغمگی اور ترنم مسلم ہے۔ اور یہی میر کی عظمت کا راز ہے۔ ان کا کمال فن یہ ہے کہ وہ مختلف خیالات کے اظہار کے لیے مختلف بحروں کا انتخاب کر کے نغمگی پیدا کرتے ہیں۔ فارسی مروجہ بحروں کے استعمال کے ساتھ ساتھ میر نے ہندی کے پنگل کو اردو غزل کے مزاج کا حصہ بنا کر ہم آہنگی کی صورت دینے کی کوشش کی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کی شاعری میں بڑی کیف آور اور اثر انگیز غنائیت و موسیقی پیدا ہوتی ہے۔

پتا پتا، بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے
چلتے ہو تو چمن کو چلیے سنتے ہیں کہ بہاراں ہے
پات ہرے ہیں پھول کھلے ہیں کم کم باد و باراں ہے

تصور عشق:۔

میر کے ہاں عشق آداب سکھاتا ہے۔ محبوب کی عزت و تکریم کا درس دیتا ہے۔ اگرچہ اس کا انجام ہمیشہ المیاتی اور دردناک ہوتا ہے پھر بھی میر کو اس عشق سے پیار ہے۔ یہ عشق ان

کی زندگی کا حاصل ہے۔اسی عشق سے میر نے زندگی کا سلیقہ اور حوصلہ سیکھا ہے۔اسی عشق نے ان کی زندگی میں حرکت و عمل اور چہل پہل پیدا کی۔میر کے خیال میں زندگی کی ساری گہما گہمی اور گوناگونی اسی عشق کی وجہ سے ہے۔اگر عشق نہ ہوتا تو یہ کارخانہ قدرت بے کار، خاموش، بے حرکت اور بے لذت ہوتا۔تصور عشق کے حوالے سے ان کے نمائندہ اشعار درج ذیل ہیں۔

دور بیٹھا غبار میر اس سے
عشق بن یہ ادب نہیں آتا

محبت ہی اس کارخانے میں ہے
محبت سے سب کچھ زمانے میں ہے
ہم طورِ عشق سے واقف نہیں ہیں لیکن
سینے میں جسے دل کو کوئی ملا کرے ہے

تصور محبوب

یہ بات تو طے ہے کہ میر نے ایک گوشت پوست کے زندہ و متحرک محبوب سے عشق نہیں، بھرپور عشق کیا تھا۔اور محبوب سے ان کے احساسِ جمال، قوتِ تخیل اور تصور حسن پر روشنی پڑتی ہے۔ان کا محبوب خود حسن و نور کا منبع ہے اور روشنی کی طرح شفاف۔

میر کا محبوب صرف روشنی ہی نہیں بلکہ جسم، خوشبو اور رنگ و بو کا پیکر بھی ہے۔ وہ مادی کثافتوں سے منزہ اور حسن محض ہے۔

ان گل رخوں کی قامت لہکے ہے یوں ہوا میں
جس رنگ سے لچکتی پھولوں کی ڈالیاں ہیں

کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے
اس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے

اس عہد میں الٰہی محبت کو کیا ہوا
چھوڑا وفا کو ان نے مروت کو کیا ہوا

احساس برتری:۔

میر کی شاعری کا ایک مخصوص رنگ ہے اور انداز شعر گوئی کی کیفیات ہیں جس نے تمام شاعروں کو بے حد متاثر کیا اور سارے شاعروں نے اس رنگ میں شعر کہنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ اس لئے میر احساس برتری کو سامنے لاتے ہوئے کہتے ہیں کہ

سارے عالم پر ہوں میں چھایا ہوا
مستند ہے میرا فرمایا ہوا

گفتگو ریختی میں ہم سے نہ کر

یہ ہماری زبان ہے پیارے

پڑھتے پھریں گے گلیوں میں ان ریختوں کو لوگ

مدت رہیں گی یاد یہ باتیں ہماریاں

بقول سید عبداللہ،

'' بعض صاحب کمال ایسے ہوتے ہیں جن کے فن کی نمایاں خصوصیت نہ صرف اپنے دور کو متاثر کرتی ہے بلکہ مستقبل میں بھی لوگ ان کی طرز خاص کو مانتے ہیں میر بھی ایسے ہی صاحب کمال ہیں۔''

مجموعی جائزہ:۔

مولوی عبدالحق فرماتے ہیں کہ

'' میر تقی میر سرتاج شعرائے اردو ہیں ان کا کلام اسی ذوق و شوق سے پڑھا جائے گا جیسے سعدی کا کلام فارسی میں، اگر دنیا کے ایسے شاعروں کی ایک فہرست تیار کی جائے جن کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا تو میر کا نام اس فہرست میں ضرور داخل ہو گا۔''

بقول رشید احمد صدیقی،'' غزل شاعری کی آبرو ہے اور میر غزل کے بادشاہ ہیں۔''

ایک اور جگہ لکھتے ہیں،

''میر کی بات دل سے نکلتی ہے اور سامع کے دل میں جگہ کر لیتی ہے۔''

اک بات کہیں گے انشاء تمہیں ریختہ کہتے عمر ہوئی
تم لاکھ جہان کا علم پڑھے کوئی میر سا شعر کہا تم نے

فقیرانہ آئے صدا کر چلے میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
پر ستش کی یاں تک اٹھائی کہ یے بت تجھے سبھی کی نظر میں خدا کر چلے
جبیں سجدہ کرتے ہی کرتے گھسائی حق بندگی ہم ادا کر چلے
جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے
کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میر جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے